جدید عربی شاعری کے علم بردار

از

(جناب مولوی رشید احمد صاحب ارشد ایم اے استاذ ادبیات عربی کراچی یونیورسٹی)

(۲)

حافظ ابراہیم حافظ ابراہیم ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا ابتدائی زمانہ بہت تنگی اور عسرت میں گذرا۔ اس وجہ سے ان کے ابتدائی کلام میں شکایتِ زمانہ اور اہلِ وطن کی ناقدری کا شکوہ ہے۔ اس غریبانہ ماحول اور فوج کی ابتدائی ملازمت کی وجہ سے ان کا تعلق عوام سے گہرا رہا۔ وہ عوام کے دکھ درد میں شریک رہے، وہ ان کے جذبات و احساسات سے اچھی طرح واقف تھے کیونکہ وہ خود بھی عرصۂ دراز تک انہی کے ایک فرد تھے اسی وجہ سے انھوں نے مصر کے عوام کی ترجمانی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ فوجی ملازمت چھوڑ دینے کے بعد ان کا تعلق مصر کے حریت پسند قومی لیڈروں سے زیادہ قائم ہوگیا جو جمال الدین افغانی کے تربیت یافتہ تھے اس وجہ سے ان کی شاعری عوام اور قوم کے لئے وقف ہوگئی انھوں نے قومی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی شاعری کے ذریعے مصر کے نوجوانوں میں سیاسی، معاشرتی، اور علمی بیداری پیدا کی۔ ان کا دیوان مصر کی قومی تحریکات اور اہم واقعات کی منظوم تاریخ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ادبی دلچسپی اور شاعرانہ جذبات سے خالی نہیں ہے۔ ہمارے اردو شعراء اقبال، ظفر علی خاں اور محمد علی جوہر کی طرح ان کی پُرجوش قومی نظموں نے تحریکِ آزادی کو کامیاب بنایا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مولانا حالی کی نظموں کی طرح ان کی قومی اور معاشرتی نظموں نے بھی مصر و شام کے لوگوں کو ان کے سماجی اور اخلاقی عیوب سے آگاہ کیا انھوں نے خواتین کی حالت کو بہتر بنانے اور انھیں معتدل طریقے سے تعلیم دلانے کی حمایت کی۔

حافظ ابراہیم نے حضرت عمر فاروقؓ کے سیرت و کردار پر ایک بہت بڑی نظم لکھ کر عربی ادب میں بلند پایہ طویل اسلامی نظموں کی کمی کو پورا کیا۔ اس طرح قدیم عربی شاعری میں حریت

پسندانہ، قومی وسماجی نیز خالص اسلامی نظموں کی جو کمی تھی، اس کی بڑی حد تک تلافی کر دی۔

حافظ ابراہیم اپنے الفاظ، طرزِ بیان اور موضوع کے لحاظ سے سامی البارودی کے صحیح جانشین تھے انھوں نے جدید خیالات کو قدیم فصیح عربی زبان میں پیش کیا اور علمِ عروض کے اوزان کی پوری پابندی کی۔ ان کے اشعار جدید گوناگوں خیالات کے باوجود ان کی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے ہیں اور سہلِ ممتنع کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ ان کی سیدھی سادھی زبان اور خیالات کو معمولی پڑھا لکھا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ کسی قسم کی پیچیدگی اور اشکال نہ الفاظ میں ہے اور نہ معانی میں۔ ان کی یہ خصوصیت بھی انھیں ہر دل عزیز اور "شاعرِ عوام" بنانے میں کامیاب ثابت ہوئی اور وہ شاعر النیل کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

حافظ کے ابتدائی کلام میں تقلیدی اور قدیم رنگ جھلکتا ہے قدیم انداز کے مطابق انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز بڑے لوگوں اور بادشاہوں کی قصیدہ خوانی سے کیا۔ چنانچہ شروع کے کلام میں خدیوِ مصر عباس اور ترکی خلیفہ سلطان عبد الحمید خاں کی تعریف، ملکہ وکٹوریہ کا مرثیہ، ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی پر مبارکباد اور لارڈ کرومر مصر کے ہائی کمشنر، پر الوداعی قصیدہ بھی شامل تھا۔ مگر جب مفتی محمد عبدہ اور مصطفیٰ کامل کی جماعت سے ان کا تعلق پیدا ہوا تو انھوں نے تحریکِ آزادی میں زور شور سے حصہ لینا شروع کیا۔ بہر حال وہ اپنے اور قوم کے رنج وغم اور جذبات کے اظہار اور ان کے عیوب کی صحیح ترجمانی کرنے میں منفرد ہیں۔ اس معاملے میں ان کا کوئی ہم عصر شاعر مقابلہ نہیں کر سکتا۔[1]

حافظ ابراہیم نے غزل گوئی نہیں کی کیونکہ انھیں قوم کے عشق ومحبت کے سوا اور کسی سے عشق نہیں ہوا اسی طرح ان کے کلام میں مناظرِ قدرت اور فلسفیانہ گہری نظروں کی کمی ہے بلکہ ان کی شاعری "روحانیت" سے بھی خالی ہے مگر انھوں نے مصر اور سرزمینِ مشرق کے تمام بڑے لوگوں کے نہایت عمدہ مرثیے لکھے ہیں ان میں سیاسی لیڈر، علماء، شعراء اور مصنف

---

[1] تاریخ الادب العربی للزیات۔

بھی شامل تھے۔ چنانچہ ان کے دیوان میں نظموں کا بہت بڑا حصہ بڑے لوگوں کے مراثی یا خاص تقریبات وحوادث کے بیان کے لئے وقف ہے۔ اس لئے وہ نقّاد اور ادبا رجورومانیت، غزل اور گہری فلسفیانہ جذباتی شاعری کے دلدادہ ہیں، یا وہ لوگ جو مغربی ادب کی تقلید کرنا چاہتے ہیں، حافظ ابراہیم کی شاعری کو پسند نہیں کرتے۔ یہ کمی ایک حد تک شوقی نے پوری کردی تھی۔ اس لئے حافظ اور شوقی کے طرفداروں کی دو مختلف جماعتیں اہلِ ذوق کی پیدا ہوگئیں چونکہ دونوں ہمعصر اور مقبول ترین شعرا رتھے اس لئے مختلف اخبارات ورسائل میں ان پر موازنہ اور مقابلہ ہونے لگا اور ان دونوں کی شاعری پر بے شمار تنقیدیں ان کی زندگی ہی میں شائع ہونے لگیں ان میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، عقّاد ومازنی وغیرہ کی تنقیدیں زیادہ اہم تھیں۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں حافظ ابراہیم اور شوقی کی شاعری کے بارے میں "مجلۂ الہلال مصر" میں حافظ وشوقی دونوں کی وفات کے بعد ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ایک مقالہ سپردِ قلم کیا تھا۔ حافظ کے بارے میں ان کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"حافظ کے اشعار سیدھے سادے اور آسان ہیں۔ ان کا علم محدود تھا۔ فرنچ سے معمولی واقفیت تھی۔ اس وجہ سے ان کا کلام شاعری کی ہر صنف سے مالامال نہیں ہے بارودی کی طرح قدیم ادب تک ان کی واقفیت تھی۔ علومِ عربیہ میں بھی وہ کتاب الاغانی اور مشہور شعرا رکے دواوین سے واقف تھے مگر چونکہ ان کا حافظہ تیز تھا۔ اس لئے اس کی مدد سے وہ اپنے ماحول کی مصوری کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مگر محدود عقلیت کی بنا پر اپنی نظموں میں گہرائی اور تخیلات میں بلندی نہیں پیدا کرسکے ان کے مرثیے۔ شکایت نامے، رواسوخت، سیاسی اور معاشرتی نظمیں درد انگیز اور مؤثر ہیں۔ مناسب الفاظ، عمدہ طرزِ بیان، اور دلکش تصویر کشی کی وجہ سے مذکورہ بالا اصنافِ شاعری میں ان کا مقام کافی بلند ہے مگر اس قسم کے اشعار میں بھی گہرائی اور فلسفہ نہیں ہے۔ انھوں نے ایک ایسے معمولی انسان کے خیالات کی ترجمانی کی ہے جو عوام کا ایک فرد ہو۔ اسی وجہ سے انھوں نے عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کی کیونکہ انھوں نے مصر کے عام مسلمانوں کے خیالات وجذبات کی نمائندگی کی تھی۔

حافظ ابراہیم سیاسی لیڈروں سے بھی ربط و ضبط رکھتے رہے۔ اور عوام سے بھی ان کا تعلق رہا۔ اس بنا پر ہر قسم کے افراد کے خیالات و رجحانات کی عکاسی کرتے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی کے ساتھ قومی خیالات کا اظہار کرتے رہے مگر جب حشمت پاشا نے انھیں مصری لائبریری کے ادبی شعبہ کا نگراں بنا دیا (اور وہ سرکاری ملازم ہو گئے) تو ان کی زبان بند ہو گئی (یہ تقرر ۱۹۱۱ء میں ہوا) اس کے بعد حافظ نے عمدہ کلام نہیں پیش کیا۔ اگر وہ شاعرِ فطرت ہوتے تو اس زمانہ میں سیاست اور عوام کی ترجمانی سے الگ ہونے کے بعد قدرتی مناظر پر نظمیں لکھ سکتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کی طبیعت اس کام کے لئے موزوں نہ تھی اس آخری زمانے میں بڑے بڑے آدمیوں کے مرنے پر ان کی مرثیہ گوئی کے سوا اور کچھ نہ کر سکے[1]"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی تنقید کسی قدر سخت ہے۔ شعراء سے یہ توقع رکھنا کہ وہ بھی ان کی طرح مغربی ادب اور فلسفہ کا بہت بڑا عالم ہونا ممکن کوشش ہے۔ بہت بڑے عالم کا شاعر بننا بہت مشکل ہے۔ نیز ہر شاعر کا جامع اوصاف ہونا، اور ہر صنفِ شاعری میں طبع آزمائی کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ ہر زبان کی موجودہ اور گذشتہ ادبی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ کوئی شاعر ہر صنفِ شاعری پر حاوی نہ ہو سکا۔ بہر حال اس تنقید سے شاعر کی تصویر کا دوسرا رخ واضح ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حافظ ابراہیم کی شاعری کا بہترین زمانہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک کا ہے۔ یہ زمانہ ان کی شاعری کا عالمِ شباب تھا۔ اس کے بعد جب اپنے حالات اور مشکلاتِ مالی سے تنگ آکر وہ سرکاری ملازم ہو گئے۔ تو ان کی شاعری زوال پذیر ہو گئی۔ تاہم وہ مالی حیثیت سے خوش حال ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں ان کی یادگار نثر کی تصانیف ہیں جو کچھ درسی کتب اور کچھ تراجم اور افسانوں پر مشتمل ہیں۔ بہر حال حافظ اور شوقی وہ دو ممتاز شاعر ہیں جو متنبی اور معری کے بعد کئی صدیاں گذرنے کے بعد نمودار ہوئے، تاہم عربی ادب کے قدیم مشہور شعراء کے

---

[1] مجلہ الہلال قاہرہ مصر دسمبر ۱۹۳۲ء۔

دوش بدوش فخر کے ساتھ انھیں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مخالفین کی سخت تنقیدوں کے باوجود ان کی شاعرانہ کمالات لافانی ہیں اور جدید عربی ادب کے رہنماؤں کی حیثیت سے انہیں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

شوقی | ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۳۲ء میں وفات پائی۔ اہلِ ذوق اسے متنبی اور معری کے بعد عربی زبان کا سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ تقریباً ایک ہزار برس کے درمیانی عرصے میں اتنا بڑا شاعر نہیں پیدا ہوا۔ حافظ کے برخلاف وہ امیرانہ ماحول میں پروان چڑھا وہ عرب، ترک، یونانی اور چرکسی نسلوں سے ملے جلے مصر کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی پیچیدہ طبیعت ان تمام نسلوں کی بہترین خصوصیات سے متصف رہی۔ عربی شاعری میں تنوع پیدا کرنے کے باوجود اس نے عربی زبان کے قدیم اوزان اور بحور وقوافی کی پابندی روا رکھی اور طویل بحروں میں نظمیں لکھیں۔ ان نظموں میں اس نے قوافی میں بھی کوئی خاص تنوع یا تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تاہم اس نے کئی طویل وطنی اور تاریخی نظمیں لکھ کر عربی شاعری میں جدید باب کا اضافہ کیا۔ جن میں دول العرب، وادی النیل کی نظمیں قابل ذکر ہیں جن میں اس نے نہایت قادر الکلامی کے ساتھ اسلامی اور قدیم مصری تاریخ کے اہم واقعات کو نظم کیا ہے۔ "عظماء الاسلام" کے نام سے بھی اس نے ایک طویل نظم لکھی ہے۔ جس میں اکابرِ اسلام کے کارناموں کو قلمبند کیا ہے۔ بچوں کے لئے اس نے نہایت عمدہ نظمیں اور گیت تحریر کئے ہیں۔

اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عربی شاعری میں منظوم ڈراموں کی کمی کو پورا کیا اور مندرجہ ذیل عمدہ منظوم ڈرامے تحریر کئے جو اس کا لافانی کارنامہ ہیں۔

"مجنوں لیلیٰ" "عنترہ" "علی الکبیر" "قمبیز" "الست صدری" "مصرع قلوبطرا"[1]

وہ عربی زبان میں پہلا منظوم ڈرامہ نگار ہے اور اس زمانے کے حالات اور اپنی قابلیت

---

[1] تاریخ ادب العربی للزیات ص ۸۲ مطبوعہ مصر

کے لحاظ سے اس نے بہت اچھا نمونہ پیش کیا ہے۔ ان ڈراموں کی سلاست و روانی اور غنائیہ عنصر اپنی نظیر آپ ہے۔ اور ان سے زبان و ادب نیز عروض و قافیہ پر اس کی قادر الکلامی کا زبردست ثبوت ملتا ہے۔ اگر وہ عربی ڈراموں کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیتا اور اس کی قوتِ مشاہدہ اور زیادہ عمیق ہوتی تو وہ عربی زبان کا شیکسپیر قرار دیا جاتا۔

شوقی اور حافظ معاصر ہونے کے باوجود اپنی شاعرانہ خصوصیات کے لحاظ سے بعض معاملات میں مشترک اور بعض چیزوں میں مختلف ہیں۔ شوقی ابتدا میں شاہی خاندان میں پرورش پانے کی وجہ سے درباری شاعر بنا۔ اس لئے اس کی ابتدائی نظمیں بادشاہ اور امراء کی تعریف میں قصائد اور تشبیب پر مشتمل ہیں۔ اس کے برعکس حافظ ابراہیم کی ابتدائی نظمیں شکایتِ زمانہ اور اس کے ذاتی رنج و غم و مصائب کی آئینہ دار تھیں۔ اس لحاظ سے ان میں جدت، اثر اور خلوص تھا مگر شوقی کے قصائد قدیم طرز کے اور خلوص سے خالی ہوتے تھے۔ اس زمانے میں اس نے قومی سیاست اور عوام کے بارے میں کچھ نہیں لکھا در حقیقت اس زمانے میں اس کا عوام سے کوئی تعلق بھی نہ تھا مگر جب پہلی جنگ عظیم کے موقع پر انگریزی سیاست کے ماتحت معتوب شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے جلاوطن کیا گیا، تو اس کی زندگی اور شاعری دونوں نے ایک نئی کروٹ لی جس کے ساتھ اس کا شاعرانہ رنگ بھی تبدیل ہو گیا۔

اس نے جلاوطنی کا زمانہ سرزمین اندلس میں گذارا جہاں عربوں نے صدیوں تک حکومت کی تھی اس لئے وہاں کے ماحول نے اس کی طبیعت میں اسلامی اور قومی جذبات پیدا کئے۔ جلاوطنی کے زمانے میں اس نے اندلس کی گذشتہ شان و شوکت پر کئی نظمیں لکھیں۔ اور جب وہ مصر واپس آیا تو اس کا استقبال ایک قومی رہنما کی حیثیت سے نہایت شاندار طریقے سے کیا گیا اور قوم نے اسے ایک درباری شاعر کے گوشے سے نکال کر قومی شاعری کے میدان میں لا کھڑا کیا اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہاں تک کہ مصر کے قومی شاعر حافظ ابراہیم نے اس کا اپنی نظموں کے ذریعے پرتپاک خیر مقدم کیا اور اس کی شاعرانہ صلاحیتوں کو خراجِ تحسین ادا کیا۔

اب وہ انگریزوں اور شاہی محل کا معتوب شاعر تھا۔ اسے قوم کے سہارے زندگی گزارنی تھی۔ لہٰذا اس نے دل ودماغ کی بہترین صلاحیتیں اپنی شاعری کے لئے وقف کردیں اور عوام سے بہت گہرے تعلقات قائم کرلئے۔ اس طرح وہ مصری عوام اور مسلمانوں کے جذبات واحساسات کی صحیح ترجمانی بھی کرنے لگا۔ اور تمام اصنافِ شاعری کا جامع بن گیا۔

شوقی حافظ ابراہیم کے برخلاف مناظرِ قدرت کی نظموں، تغزل اور عاشقانہ نظموں میں بھی کامیاب شاعر تھا اس طرح وہ عربی زبان کی تمام اصنافِ سخن کا جامع اور مکمل شاعر تھا۔ تمثیل نگاری کی نئی صنف کا وہ بانی ہے اس کی بیشتر نظموں میں رومانی عنصر گہرائی اور فلسفیانہ انداز پایا جاتا ہے۔

یحی عناصر

مجموعی حیثیت سے ہمارے خیال میں شوقی کا رتبہ حافظ ابراہیم سے بہت بلند ہے۔ کیونکہ وہ مشرقی ومغربی ادب دونوں سے واقف تھا۔ اس کی علمی استعداد بھی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کی شاعری ہر قسم کے خیالات سے مالا مال ہے تاہم انصاف پسند نقادوں کی یہ رائے ہے کہ حافظ مرثیہ گوئی، قومی ترجمانی، شکوہ زمانہ، عوام کے احساسات آلام کی صحیح ترجمانی میں شوقی سے بازی لے گیا تھا۔ اور شوقی غنائیہ عاشقانہ اور فطری شاعری کے لئے یکتا شہسوار، تمثیل نگاری کا بانی اور وصف نگاری میں ایک دل کش مصور تھا۔ رفعتِ ین، جدت نگاری اور معنی آفرینی میں بھی وہ حافظ سے آگے ہے۔ جہانتک بلند پایہ شعرائے متقدمین تقلید کا تعلق ہے۔ حافظ اس معاملے میں شوقی سے سبقت لے گیا ہے مگر حافظ ظاہری الفاظ صورت کا مقلد بھی تھا۔ شوقی نے صرف معنی آفرینی میں ان کی کامیاب تقلید کی۔ بہرحال قوم رحکومت نے اسے امیر الشعراء کا لقب عطا کیا جس کا وہ بجا طور پر مستحق تھا۔

شوقی کی زندگی ہی میں عربی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کی ادبی خدمات ے اعتراف میں اور اس کے اعزاز واکرام کے طور پر عظیم الشان جلسے ہوئے جن میں وہ جلسے ل ذکر ہیں جو ۲۹ اپریل سے ۶ مئی ۱۹۲۷ء میں لگاتار ہوئے۔ جن میں بڑے بڑے شعراء، حافظ ابراہیم

خلیل مطران، امیر شکیب ارسلان وغیرہ نے قصائد میں اسے خراج تحسین ادا کیا اور دیگر ممتاز رہنماؤں نے بھی تقریریں کیں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی رائے ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے شوقی کی وفات پر ایک مقالہ تحریر کیا تھا جس میں شوقی کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے اس کی بعض خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تحریر کرتے ہیں۔

"شوقی کو ترکی اور فرنچ میں مہارت حاصل تھی، اس کا مطالعہ وسیع تھا لہٰذا اس وسیع مطالعہ کی بنا پر دیگر عناصر کے ساتھ ساتھ فرانسیسی عنصر بھی اس کے کلام میں شامل ہو گیا تھا تاہم ترک و عرب کے اثرات اس پر غالب رہے وہ قدمائے یونان کی محفل سے محروم رہا ورنہ مصر کا "شاعر کامل" ہوتا"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شوقی نے فرانسیسی ادبیات کا مطالعہ صحیح طریقہ سے نہیں کیا کیونکہ اس نے فرانسیسی ادیبوں کا جہاں تذکرہ کیا ہے اس موقع پر اس نے فرانس کے اعلیٰ قسم کے ادباء اور فلسفیوں کا ذکر نہیں کیا ہے مثلاً وہ بودلین فرلین سولی بردم مالارامیہ وغیرہ سے ناواقف معلوم ہوتا ہے۔ وہ جدید فرانسیسی ادب کے بجائے قدیم ادب سے زیادہ متاثر معلوم ہوتا ہے۔ دوسری خامی جو اس میں باقی رہ گئی تھی وہ یہ ہے کہ ابتدا میں اس نے اپنی طبیعت کو آزاد نہیں کیا بلکہ محل شاہی کی سیاست میں الجھ کر رہ گیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کی جدت پسند قوت اور قوت متخیلہ اس کی شاعری کا رخ بدل دیتی۔ اگر وہ مشہور یونانی شاہکار ایلیڈ اور اوڈیسہ کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیتا تو وہ عربی زبان میں فنی حیثیت سے منظوم رزمیہ گوئی کی بنیاد ڈال سکتا تھا۔

اسی طرح اگر وہ قدیم یونانی اور جدید مغربی ڈراموں کو اچھی طرح مطالعہ کر لیتا اور اپنی فطرت کو ہر طرح سے آزاد کر لیتا تو وہ عربی نثر و نظم میں جدید تمثیل نگاری کے اعلیٰ نمونے پیش کر سکتا تھا۔ اسی طرح اگر وہ عصر جدید کے شعرائے فرانس سے ربط ضبط قائم کرتا اور ان کے کلام کا مطالعہ کرتا تو اس کی شاعری تخیل اور گہرائی میں بہت بلند پایہ کی ہوتی۔ مگر کچھ تو مطالعہ کی کمی اور کچھ درباری سیاست نے اس کے پر نوچ دیئے تھے"[1]

---

[1] الہلال قاہرہ مصر ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی یہ رائے انتہا پسندی پر مبنی ہے وہ نقاد کی حیثیت سے یہ چاہتے تھے کہ جس قدر وسیع معلومات یونانی اور مغربی ادب کے بارے میں انھیں حاصل ہے، وہ ہر مصنف ہر ادیب اور ہر شاعر میں ہونی چاہیئے نیز وہ یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ ہر شاعر میں وہ تمام اوصاف پائے جائیں جو قدیم یونانی اور مغربی ادب کے شعراء میں موجود ہیں۔ مشرق کے حالات اور شاعر کے رجحانات کے لحاظ سے ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ شاعری ایک فطری ملکہ ہے جو وسیع مطالعے سے نہیں حاصل ہوتا۔

بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شوقی اور حافظ عربی ادب میں متنبی اور ابوالعلاء المعری کے بعد ایسے دو زبردست شاعر تھے جنھوں نے عربی شاعری میں انقلاب برپا کیا اور جدید شاعری کے لئے اس طرح راہ ہموار کی کہ قدیم عروض اور قوافی کی پابندیوں سے بغاوت بھی نہیں کی بلکہ شوقی نے قدیم شعراء کی مشہور نظموں کی تقلید و تتبع میں انہی قافیوں بحر اور وزن میں ان کے جواب میں اپنی بعض مشہور نظمیں تحریر کیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل نظمیں قابلِ ذکر ہیں۔ رسول کریمؐ کی نعت میں مشہور مصری شاعر بوصیری کے قصیدۂ بردہ کے اتباع میں اور اسی طرز میں اس نے ایک طویل نظم لکھی جو نہج البردہ کے نام سے مشہور ہے اسی طرح وطن کی یاد اور اس کے شوق و محبت میں ابن زیدون کے نونیہ قصیدہ کے جواب میں اس نے بھی اسی طرز پر ایک نونیہ قصیدہ تحریر کیا۔ نیز اس کی ایک نظم بحتری کے سینیہ قصیدہ کے مشابہ، گذشتہ ایام اور ملک کے کھنڈروں کی یاد میں ہے ایک اور نظم تغزل میں حصری کے دالیہ قصیدے کے جواب میں اسی قافیہ میں ہے یہاں تک کہ اس نے مشہور ابن سینا کے عینیہ قصیدہ کے جواب میں فلسفہ نفس پر اسی قافیہ اور اسی طرز پر ایک نہایت عمدہ نظم لکھی اس طرح مشہور قدیم شعراء کے جواب میں نظمیں لکھ کر اس نے اپنی قادر الکلامی کا بہترین ثبوت دیا اس سے بعض لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ مقلد شاعر تھا اور اس نے عربی شاعری میں زبردست انقلاب نہیں پیدا کیا جیسا کہ آج کل بعض شعراء قدیم روایات سے بغاوت کر رہے ہیں اس طرح اس نے کوئی جرأت مندانہ قدم نہیں اٹھایا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ زمانہ قدیم روایات کے تحفظ و تعمیر کا نقاد نہ کہ تخریب کا۔ اس نے قدیم روایات کو محفوظ رکھتے ہوئے کچھ نئی معنوی تعمیر بھی کی یعنی عربی شاعری میں تمثیلی اور رزمیہ تاریخی قصوں کو منظوم کر کے اس کمی کو پورا کیا۔ اس قسم کی رزمیہ نظموں میں (۱) دول العرب (۲) وادی النیل (۳) صدی الحرب یعنی "جنگ کی صدا" قابل ذکر ہیں۔

آخری نظم میں اس نے یونانیوں کے خلاف ترکوں کے جنگی کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ اسی قسم کی بلند پایہ نظموں میں ہے جس قسم کی نظمیں پہلی جنگِ عظیم کے بعد تحریک خلافت کے زمانے میں ہمارے اردو شعراء نے تحریر کی تھیں۔

مذکورہ بالا نظموں اور ڈراموں کے علاوہ شوقی کی بہترین نظموں میں مندرجہ ذیل نظمیں بھی شامل ہیں۔ ابوالہول (جو مصر کی تاریخی یادگار ہے) عبرۃ الدھر مملکۃ النحل (شہد کی مکھیوں کی سلطنت)، الاندلس الجدیدۃ، الشباب المنتحر (شباب کی خودکشی) تحیۃ الاستقلال (آزادی کا سلام)، علی سفح الاھرام (اہرام مصر کے دامن میں)، توت عنخ آمون (مصر کا ایک قدیم بادشاہ)

ان میں سے اکثر نظموں میں اس نے قدیم مصر کی تاریخی عظمت کو زندہ کیا ہے۔ اس طرح وہ تمام مصریوں کا قومی شاعر کہلانے کا پورا حق رکھتا ہے۔

مشہور نقاد احمد حسن الزیات نے اپنی مجموعۂ مضامین میں جو اس نے "فی اصول الادب" کے نام سے شایع کرایا ہے ایک مضمون خاص شوقی پر تحریر کیا ہے اس میں ایک مقام پر شوقی کے کلام کی گوناگوں خصوصیات کو واضح کرتے ہوئے وہ تحریر کرتا ہے۔

"شوقی کے تغزل اور وصف نگاری میں، بحتری اور مہیار الدیلمی جیسی نزاکت اور لطافت پائی جاتی ہے رزمیہ انداز اور مدح گوئی میں وہ ابوفراس الحمدانی اور رضی کے مشابہ ہے۔ ادب و حکمت میں اس میں ابوتمام جیسی گہرائی اور متنبی جیسی پیچیدگی پائی جاتی ہے"[1]۔

جدید شعراء کے ایک رہنما احمد زکی شادی نے شوقی پر ایک مضمون تحریر کیا تھا جس کا اہم

---

[1] فی اصول الادب از احمد حسن الزیات مصر ۱۰۱–۱۰۴ مطبوعہ مصر

خلاصہ ذیل میں مختلف نقطۂ نگاہ پیش کرنے کے لئے درج کیا جاتا ہے۔

"شوقی انفرادی عظمت اور شخصی پروپیگنڈہ کا قائل رہا ہے گذشتہ نصف صدی میں اسی قسم کے رجحانات بہت زیادہ تھے جن کا سرچشمہ محل شاہی تھا جس سے شوقی وابستہ تھا اور ابھی تک قدیم ادبی حلقوں میں ان رجحانات کا تھوڑا بہت اثر باقی ہے۔ جن کا نمائندہ انشاپردازوں میں احمد حسن الزیات اور شعراء میں عزیز اباظہ ہے۔

شوقی سب سے پہلے درباری شاعر رہ چکا تھا۔ ایک طرف وہ متنبی کا مقلد تھا تو دوسری طرف فرانسیسی شاعری کا آئینہ دار بھی تھا اور صحیح معنوں میں حافظ ابراہیم کی طرح کبھی بھی قومی شاعر نہ بنا اور نہ متنبی کی نفسیاتی خصوصیات اس میں پائی گئیں۔ حافظ ابراہیم کا پیغام شاعری انتہائی درجے کا وطنی، سیاسی اور قومی پیغام تھا مگر شوقی کے بنیادی پیغام میں مصر کی قدیم عظمت، اسلامی اور عرب کی تاریخ کے گیت گائے گئے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اس کی گوناگوں تاریخی نظموں میں خلوص پایا جاتا ہے اور ان کے ذریعے اس کی غیر معمولی دماغی صلاحیت اور ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر عام طور پر شوقی کے کلام میں اس کی اپنی شخصیت زیادہ نمایاں اور واضح نہیں دکھائی دیتی اس معاملہ میں وہ متنبی کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ متنبی کی زبردست شخصیت کا آئینہ اس کا کلام ہے۔ تاہم بعض باتوں میں وہ متنبی کے مشابہ ہے جن میں غرور و انانیت کی صفت بھی ہے۔"

آگے چل کر شاعر موصوف کہتا ہے "اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ شوقی کی شاعری میں قدم ترقی کی طرف آگے بڑھایا گیا ہے اس کے کلام سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ عربی زبان میں جدید خیالات و معانی کو قدیم طرز کے سحر آفریں انداز سے اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ تصورات و معانی اور موسیقی قارئین کی نگاہوں کے سامنے جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ تاہم شوقی و حافظ کی مصری تصویر کشی میں یہ فرق ہے کہ حافظ موجودہ مصر کی زندہ تصویر پیش کرتا ہے جس میں عوام کے مصائب، ترقی کی کشمکش اور خوف و ہراس کے جذبات بھی شامل ہیں۔ مگر شوقی قدیم مصر کی تصویر کشی کرکے اس کی قدیم عظمت کے گیت گاتا ہے"[1]

---

[1] رائد الشعر الحدیث حصہ دوم از محمد عبد المنعم خفاجہ صفحہ ۶۶-۶۸۔ مطبوعہ مصر

خلیل مطران شوقی اور حافظ کے بعد مصر و شام کا مشہور شاعر خلیل مطران تھا جو ۱۸۷۱ء میں بمقام بعلبک پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اس نے بیروت میں حاصل کی۔ اس کے بعد وہ ۱۸۹۳ء میں مصر آیا یہاں آکر اس نے کئی اخبارات و جرائد نکالے۔ وہ خدیو مصر عباس حلمی کے زمانے میں شاہی سرپرستی میں عزت و احترام کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا۔ اس نے مصری تھیٹر اور مصری ڈراموں کی اصلاح و ترقی کے لئے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اور انگریزی اور فرانسیسی زبان کے بعض مشہور ڈراموں کو عربی زبان میں منتقل کیا اس طرح عربی ڈراموں کی زبان کو درست کر کے ان کے ادبی معیار کو بہت بلند کیا۔ ۱۹۴۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔

خلیل مطران کی شاعری پر فرانسیسی شعرا کا اثر غالب ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے وہ شوقی اور حافظ سے کم درجہ پر ہے مگر شاعری کے جدید رجحانات و خیالات کے لحاظ سے وہ موجودہ عربی شعرا کا رہنما ہے فرانس کی سیاحت اور وہاں کے قیام نے اس کے خیالات میں زبردست تبدیلی پیدا کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کلام میں مغربی شعرا کی دقت آفرینی، خیالات کی یکسوئی، اور موضوع کے مطابق مکمل اور مسلسل اشعار کی نظمیں لکھنے کا رجحان غالب ہے۔ اس کی نظمیں مشہور فرانسیسی شاعر الفریڈ دی موسیہ کے پہلے دیوان کی ہو بہو عربی شکل ہے چنانچہ موسیہ کے مانند وہ بھی محبت اور رنج و غم کے جذبات کا اظہار کرتا ہے اور اسی کے طریقہ کے مطابق صنفِ نازک کو مخاطب کر کے اپنی وارداتِ عشق بیان کرتا ہے۔

عام سماجی اور مجلسی تقریبات کے موقعوں پر اس نے حافظ اور شوقی کے بہ نسبت کم نظمیں تحریر کی ہیں تاہم قومی اور سیاسی تحریکوں کی حمایت میں اس نے کافی عمدہ نظمیں تحریر کی ہیں۔ مصطفےٰ کامل اور سعد زغلول کی تحریکات آزادی کے زمانے میں اس نے نہایت عمدہ قومی نظمیں لکھی تھیں جو اس زمانے کی آزادی کی تاریخ کا کام دے سکتی ہیں۔

مصر میں طویل قیام کے باوجود اس کے دل سے اپنے آبائی وطن شام و لبنان کی محبت محو نہیں ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی بعض دل کش اور مشہور نظموں میں اپنے پیدائشی اور

تاریخی وطن شہر بعلبک کا مؤثر الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔ اور مصر و شام دونوں ملکوں کے شاندار ماضی اور عبرت انگیز حال پر آنسو بہاتا رہا ہے اس لحاظ سے وہ محض مصر کا قومی شاعر نہیں تھا بلکہ شام و لبنان کا علاقہ بھی اسے اسی قدر محبوب تھا جس قدر وہ مصر کا دلدادہ تھا اسی وجہ سے اسے شاعر القطرین کہتے ہیں اس کی قومیت تنگ دائرہ میں محدود نہ تھی۔ اس نے حافظ و شوقی کی جدید روایات کو بھی برقرار رکھا چنانچہ حافظ کی طرح اس نے اپنے دوستوں کی وفات پر نہایت دلگداز اور پر تاثیر مرثیے بھی تحریر کئے اور شوقی کی طرح اس نے بعض عمدہ اور دلکش تاریخی نظمیں بھی تحریر کیں جو خاص و عام میں بہت مقبول ہوئیں۔ اس قسم کی نظموں میں اس کی مشہور ترین وہ نظم ہے جس میں اس نے رومن شہنشاہ نیرون کے حکم سے قدیم روما کو نذر آتش کرنے کی تفصیلات بیان کی ہیں جو ایک مشہور ادیب و نقاد زکی المحاسنی کی رائے میں عربی زبان میں آتش زدگی کے اسی قسم کے موضوع پر تین لافانی نظموں میں سے ایک نظم ہے۔ اس قسم کی پہلی نظم ابو تمام نے تحریر کی تھی جب معتصم باللہ نے رومیوں کو شکست دے کر عموریہ کا سرحدی شہر فتح کر لیا تھا اور اسے نذر آتش کر دیا تھا۔ اسی موقع پر ابو تمام نے جو قصیدہ لکھا تھا اس میں آتش زدگی کا حال نہایت عمدہ طریقہ سے بیان کیا تھا اور یہ قصیدہ اس کے دیوان کا لافانی شاہکار ہے۔

دوسری اسی قسم کی نظم ابن الرومی کی ہے جو اس نے اس موقع پر لکھی تھی جب حبشیوں (زنوج) نے بصرہ میں بغاوت کر کے شہر کو آگ لگا دی تھی۔ اس نظم میں بھی شہر کی آتش زدگی کا حال عمدہ اور مؤثر طریقے سے بیان کیا گیا تھا۔ جب سیکڑوں برسوں کے بعد شاعر موصوف نے مذکورہ بالا نظم لکھی تو اپنے بے مثل انداز بیان کی بنا پر اس موضوع پر بجا طور پر اسے تیسرے درجے پر رکھا جا سکتا ہے۔[1]

شاعر موصوف اپنے پیدائشی وطن کی یاد میں اپنی چچازاد بہن نجلاء صباغ کو خطاب کرتے ہوئے لکھتا ہے

---

[1] مقالہ زکی المحاسنی مجلۃ المجمع العلمی دمشق ۲۵/۱ جنوری ۱۹۵۰ء۔

هل تذکرین ونحن طفلان عهدًا بزحلة ذکره غنم
اذ یلتقی فی الکرم ظلّان فیضاحکان ویایس الکرم

(۱) کیا تمھیں زحلہ کے مقام پر وہ زمانہ یاد ہے جب ہم دونوں بچے تھے۔ وہ یاد اب غنیمت معلوم ہوتی ہے

(۲) جب انگوروں کی بیلوں کے پاس دو سائے ہنستے ہوئے ملتے تھے۔ اس وقت انگوروں کی وہ بیل ہم سے مانوس تھی۔

شاعر موصوف نے اس قسم کی نظمیں بھی تحریر کی ہیں جن میں قوم کے نوجوانوں کو ہمت و جرأت پر آمادہ کیا گیا ہے۔ ایک نظم میں اس نے اس وقت کا ذکر کیا ہے جب اطالوی بحری بیڑہ ساحلِ شام پر لنگر انداز ہو گیا تھا۔ ایسے نازک موقع پر شاعر موصوف نے قوم کو آنے والے خطروں سے آگاہ کیا تھا اور انھیں ہمت و جرأت کے ساتھ ان خطروں کا مقابلہ کرنے پر متوجہ کیا تھا۔

اس نے نپولین پر بھی ایک عمدہ نظم لکھی تھی جس میں اس کے اولوالعزمانہ کارناموں کا تذکرہ تھا۔[۱]

مصر کے موجودہ شعراء کا رہنما ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی، جس کا چند سال ہوئے، امریکہ میں انتقال ہوا ہے، خلیل مطران کا بیحد مداح تھا۔ ابوشادی خود بھی ہم عصر مصر کے تجدد پسند شعراء کا قائد تھا۔ مگر وہ خلیل مطران کو تجدد پسند عربی شعراء کا قائدِ اول قرار دیتا ہے۔

اس کے نزدیک شوقی قدیم کلاسیکل عربی شاعری کا رہنما تھا مگر مطران صحیح معنوں میں جدید عربی کا بانی مبانی ہے۔ اس کی رائے میں مطران نے حافظ اور شوقی کی طرح قدیم شعراء کا اتباع نہیں کیا اور نہ قدیم کلاسکل عربی شاعری کے طرز کو زندہ کرنے کی کوشش کی بلکہ مغربی شعراء کی طرح نئے نئے اور اچھوتے موضوعات پر تخیل آرائی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا کلام تکلف و تصنع اور قدامت پسندانہ تقلید سے خالی ہے۔ ابوشادی کی رائے میں اس کے اشعار نہ صرف عربی ادب کے بلکہ آفاقی ادب اور آرٹ کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ بلاشک وشبہ

---

[۱] جواہر الادب للہاشمی

وہ رومانیت اور جدت پسند شعراء کا پیش رو ہے اور اسی وجہ سے جدید عربی شعراء کے تخلیقی شاہکاروں پر خلیل مطران کا سب سے زیادہ اثر ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی کوششوں سے جدید عربی شاعری کو تقلید کے اثرات سے آزاد کیا بلکہ مسلسل اور مربوط خیالات کی نظموں کو رائج کرکے زبان کو خیالات کا تابع بنایا۔[1]

خلیل مطران کے شاعرانہ کمالات پر بہترین کتاب ڈاکٹر اسمٰعیل ادہم نے تحریر کی تھی جو ادارہ المقتطف نے شایع کی تھی۔

---

[1] رائد الشعر الحدیث حصہ دوم لعبد المنعم خفاجہ صفحات ۶۴-۶۹

"ندوۃ المصنفین کی تازہ ترین کتاب"

"صدیق اکبر رضی اللہ عنہ"

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نہایت مفصل و مبسوط اور محققانہ تذکرہ جس میں آپ کے حالات و سوانح، عظیم الشان کارناموں، دینی اور سیاسی خدمات، مکارمِ اخلاق، اور عہدِ صدیقی کے تمام واقعات کے علاوہ اس دور کے اہم دینی، سیاسی، فقہی اور تاریخی مباحث و مسائل پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے "صدیق اکبر"، اپنے اسلوبِ بیان اور اندازِ تحقیق کے اعتبار سے ایک لاثانی کتاب ہے جس کی خصوصیتوں کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

صفحات تقریباً ۵۰۰ بڑی تقطیع کتابت و طباعت نہایت نفیس و دیدہ زیب

قیمت غیر مجلد سات روپے۔

مجلد آٹھ روپے۔